یکم نومبر ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

ایڈیٹر

آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

جلد ۳۰ | انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ | شمارہ ۴۱

اداریہ

اتر پردیش کے اردو دوستوں سے

(۲)

پچھلی اشاعت میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمیں سب سے پہلے اپنی زبان کی بقاء کے سلسلے میں اپنے سے عہد کرنا ہے کہ ہم اسے ہر حال میں زندہ اور توانا رکھیں گے۔ یہ ہماری ایسی متاع عزیز ہے جسے کوئی ہم سے چھین نہیں سکتا، ہاں ہم خود اسے اپنی غفلت سے گنوا سکتے ہیں۔ اگر اسے زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے تو پھر اس فرض کو ہمیں ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے سے یہ سوال کرنا چاہئے کہ اس کی بقاء کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں۔ کیا ہم نے اس کے اسکول کھولے ہیں یا کھولنے والوں کی مالی امداد کی ہے یا ان کے کام میں ہاتھ بٹایا ہے۔ کیا ہم اپنے بچوں کو بہر حال اردو میں تعلیم دے رہے ہیں۔ کیا ہم نے سرکاری مدارس میں اردو کی تعلیم کے انتظام کے لئے خود کوئی جدوجہد کی ہے۔ کیا ہم اردو کی کتابیں، رسالے، اخبار خریدتے ہیں۔ کیا ہم اردو کے کتب خانے قائم کر رہے ہیں۔ کیا ہم اس کے ریڈنگ روم کھلوا رہے ہیں۔ کیا ہم اُن لوگوں کو جو اردو کے قومی کردار سے ناواقف ہیں یا اردو کے شاندار ادبی سرمائے سے لاعلم ہیں کسی نہ کسی طرح اس سے آشنا کرا رہے ہیں۔ کیا ہم نے کوئی ایسا انتظام کیا ہے کہ غیر اردو دانوں میں سے جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں انھیں ہندی یا کسی اور ہندوستانی زبان کے ذریعہ یا انگریزی کے ذریعہ اردو پڑھنا آجائے۔ کام کرنے کے لئے چوڑے دعووں کی ضرورت نہیں ہوتی نہ دنیا کے کاروبار سے منھ موڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، دوسرے کاموں کے ساتھ اردو کا حق بھی ادا ہو سکتا ہے۔

ہم نے آزادی کے بعد خاصی مدت صرف ماتم یا احتجاج میں گزار دی۔ اس کی وجہ سے بڑا نقصان ہو گیا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم تین قسم کے کاموں میں سے کچھ کو انجام دینے کی کوشش کریں۔

پہلا کام یہ ہے کہ اپنے اپنے علاقے کے ابتدائی مدارس میں اردو کے ذریعہ تعلیم کا انتظام، مقامی افسروں کو توجہ دلا کر کرائیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ریاستی حکومت کی اردو اکادمی کو صورت حال سے مطلع کریں۔ ابتدائی تعلیم کے علاوہ ثانوی اسکولوں میں بھی اردو کے ذریعہ تعلیم ضروری ہے۔ ہندی اس منزل پر دوسری زبان ہوگی اس لئے ریاست کی عام زندگی سے کٹ جانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ ابتدائی تعلیم کے تسلی بخش ہونے کے لئے استادوں کا تقرر اور کتابوں کی فراہمی پر بھی توجہ ضروری ہے۔ ثانوی منزل تک اردو میں تعلیم ہو جائے تو آگے پھر طالب علم کچھ بھی کرے اس کی بنیاد صحیح ہوگی۔ دوسرا کام یہ ہے کہ صرف حکومت پر تکیہ نہ کیا جائے بلکہ اپنے طور پر ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ یہ انتظام پہلے شہروں میں پھر قصبوں میں اور پھر حسب ضرورت دیہات میں ہو سکتا ہے اس کے لئے ہر ضلع کے لوگوں کو اپنے طور پر سرمائے کا انتظام کرنا چاہئے۔ جتنا ضروری پہلا کام ہے اس سے کم ضروری دوسرا کام نہیں، بلکہ دوسرے کام سے پہلے کام میں جان پیدا ہوگی۔

تیسرا کام یہ ہے کہ ہمیں اس طرح اکثریت کو جو اردو نہیں جانتی ہندی کے ذریعہ اردو سیکھنے کی ترغیب دینی چاہئے۔ جہاں ایسے بالغوں کے لئے مدرسے کھولے جا سکتے ہیں کھولے جائیں۔ جہاں یہ ممکن نہ ہو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے اردو خط و کتابت کورس میں داخلہ کرانے کی ترغیب دی جائے۔ ہمیں صرف ہندی جاننے والوں میں بھی اردو کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ یہ لوگ بالآخر اردو کے حقوق کو تسلیم

کرانے میں معاون ہوں گے۔ حالات کیسے ہی ناساز گار رہوں، دشمن کے پنجے ان کا مقابلہ کرتے ہیں اور انہیں سازگار بناتے ہیں۔ ہمیں بھی یہی کرنا ہے ورنہ ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔

جامعات ہند کے اردو اساتذہ کی کانفرنس

انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند کی ملتوی شدہ چوتھی کل ہند کانفرنس اب ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے۔ کانفرنس کا افتتاح عزت مآب ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی گورنر اتر پردیش اور افتتاحیہ جلسہ کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور صاحب صدر انجمن ہذا فرمائیں گے۔ کانفرنس کا سہ روزہ پروگرام حسب ذیل ہے:

۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء سبجکٹ کمیٹی کا جلسہ ۱۰ بجے دن افتتاح ۲ بجے سہ پہر

۲۶ " " اردو تنقید کے مسائل ۹ " " اردو تدریس و نصاب کے مسائل ۲ بجے دن

۲۷ " " اردو یونیورسٹی کے مسائل ۹ " " اردو تحقیق کے مسائل " " "

ہندوستان کی تمام یونی ورسٹیوں اور ان کے ڈگری کالجوں کے اردو اساتذہ کو دوبارہ دعوت نامے بھیجے جا رہے ہیں۔ اساتذہ سے شرکت کرنے کسی ایک موضوع پر مقالہ بھیجئے اور انجمن و مندوب کی فیس پندرہ روپیہ بھیجئے اور اپنی آمد کی اطلاع دینے کی درخواست کی گئی ہے۔ اگر سبجکٹ کمیٹی میں کوئی تجویز بھیجنا چاہتے ہیں تو وہ کانفرنس کے انعقاد سے ایک ہفتہ پہلے روانہ کر دیں۔ اگر کسی صاحب کو دعوت نامہ نہ ملے تو وہ اس اخباری اطلاع ہی کو دعوت نامہ تصور فرمائیں۔ جملہ مراسلت ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی آنریری سکریٹری شعبہ اردو لکھنؤ یونی ورسٹی کے پتہ پر فرمائیں۔

• شجاعت علی سندیلوی

تقابلی ادب میں پی ایچ ڈی

آگرہ یونیورسٹی نے جناب پرکاش مونس کو ان کے مقالے "اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر" پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے آپ کے نگراں بریلی کالج کے پروفیسر محمود عثمان تھے۔ مونس صاحب بجنور میں ایڈوکیٹ ہیں اور ڈاکٹر گیان چند کے بڑے بھائی ہیں۔ • گیان چند

ماہنامہ صحیفہ کا اجراء

دینی ذوق رکھنے والے اردو داں حضرات کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ مشہور تعلیم گاہ جامعہ رحمانی مونگیر کی جانب سے ایک نیا ماہنامہ "صحیفہ" نکالا جا رہا ہے۔ جس کا مقصد عام فہم اور ستھری زبان میں مسلمانوں کے لئے دینی معلومات فراہم کرنا ہے۔ صحیفہ کا پہلا شمارہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ یقین ہے کہ رسالہ کے مضامین قارئین کے دینی ذوق کا سامان فراہم کریں گے۔ زر سالانہ صرف تین روپے ہے۔ نمونہ مفت۔ ملنے کا پتہ منیجر ماہنامہ "صحیفہ" جامعہ رحمانی مونگیر۔

ایک نادر دکھنی تصنیف تاج الحقائق کی اشاعت

تاج الحقائق ملا وجہی مصنف سب رس کی ایک معروف تصنیف ہے لیکن ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی تھی اب نوجوان محقق نور السعید اختر کی کوششوں سے چھپ کر شائع ہوئی ہے ضخامت ۲۰۶ صفحات۔ قیمت دس روپے۔ ملنے کا پتہ علوی بک ڈپو محمد علی روڈ بمبئی ۳

(باقی صفحہ ۱۲ سے آگے)

تاثرات نہایت دلچسپ ہیں۔ سالک کی ظرافت، مولانا صلاح الدین کا اردو سے عشق، ہری چند اختر کی بذلہ سنجی کے متعلق معلومات ہمارے لئے نئی نہیں۔ مگر مثل کے بیان سے ان حضرات کی شخصیت کچھ اور تابدار نظر آتی ہے۔ ہری چند اختر کو اُن کے مرنے سے پہلے مجھے خاصے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ یہ حضرت ۱۹۵۰ء میں انجمن کی ایک کانفرنس میں میری دعوت پر علی گڑھ تشریف لائے۔ کانفرنس میں تو خیر خاصے منقطع رہے، مگر کانفرنس کے بعد مشاعرے میں اپنے اصلی رنگ میں یعنی ہنسوڑ بن کر سامنے آئے۔ میں نے لاہور کے مشاعروں میں ان کے کارنامے سنے تھے۔ ڈرتا تھا کہ علی گڑھ میں کہیں کوئی بدمزگی نہ ہو جائے۔ مگر تو بہ کیجئے وہ ایسے زندہ دل آدمی تھے کہ بہت جلد مشاعرے کو بزم بے تکلف بنا لیا۔ ان کی ٹریجڈی یہ تھی کہ وہ لطیفہ سننے سنانے میں اتنے محو ہو جاتے تھے کہ زندگی کا کاروان گزر جاتا تھا۔ ویسے ان جیسے نکتہ سنج اور نکتہ داں میری نظر سے کم گزرے ہیں۔

اپنی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالنا اور اپنے آپ کو اور اپنے ماضی کو معروضیت کے ساتھ پیش کرنا بہت مشکل کام ہے۔ حکایات شیریں کے اس اسلوب میں شاید معروضیت کی اتنی ضرورت بھی نہیں، یہاں جذبے کی بہر حال گنجائش رہتی ہے۔ مثل نے اپنا اور اپنے لاہور کا ذکر کیا ہے، گاندھی جی کی طرح سچ کے تجربات نہیں لکھے۔ یہ اسلوب تحریر خاص بالغ نظری، تجربات کی رنگا رنگی اور الفاظ پر قدرت چاہتا ہے۔ مثل کے یہاں یہ خوبیاں موجود ہیں۔ اس لئے کتاب کا مطالعہ ایک خوشگوار تجربہ ہے اور یادوں اور حکایات کے سرمایے میں ایک گراں قدر اضافہ۔ مثل کی شاعری کی طرح ان کی نثر بھی قابل قدر ہے۔ دونوں کی پختگی بڑے ریاض کا ثمرہ اور بڑی لگن کا پھل ہے۔ مثل سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ان کے ادبی کارناموں کا اعتراف بہر حال ضروری ہے۔

عبدالقوی دسنوی

مولانا آزاد، نواب صدیق حسن خاں اور غالب

مولانا ابوالکلام آزاد کو غالب سے کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ آزاد کی ان تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے غالب سے متعلق البلاغ اور الہلال میں لکھی تھیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے مولانا آزاد کی ان تحریروں کو اپنی تصنیف "غالب"[1] میں شامل کر لیا ہے اور "نقش آزاد" میں بھی کچھ اضافہ کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ مولانا آزاد کی اسی قسم کی تحریروں کو جناب عتیق صدیقی نے بھی اپنی مرتب کردہ خوب صورت کتاب "غالب اور ابوالکلام" میں یکجا کر دیا ہے۔

مولانا آزاد کی ان تحریروں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں نے مرزا غالب سے فارسی نثر پڑھی تھی، ملاحظہ کیجئے:

"غدر کی گرفتاری کے بعد جب شیفتہ رہا ہوئے تو میرزا غالب اپنا جوش محبت ضبط نہ کر سکے۔ ڈاک کی سواری میں میرٹھ جا کر ان سے ملاقات کی۔ ان کی رہائی کے لئے بھی جس قدر کوشش کر سکتے تھے، کرتے رہے۔ جب معلوم ہوا کہ مومن علی صدر الصدور کو اس مقدمے کے فیصلے میں دخل ہے اور وہ صدیق حسن خاں کے دوست ہیں تو بھوپال خط لکھ کر صدر الصدور کے نام خط منگوایا اور شیفتہ کو ایک خاص معتمد کے ہاتھ بھجوایا۔ نواب صدیق حسن خاں نے فارسی کی چند نثریں میرزا غالب سے پڑھی تھیں اس لئے میرزا کے خط کو استاد کا خط سمجھ کر بلا تامل تعمیل کی"[1]

(بقیہ کالم ۲ پر ملاحظہ ہو)

مولانا آزاد ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

"شیفتہ کے مرافعہ کی کامیابی میں میرزا غالب کی سعی و کاوش کو بھی دخل ہے۔ نواب صدیق حسن خاں جب دہلی میں مفتی صدر الدین سے پڑھتے تھے، تو میرزا غالب سے بھی رسم و راہ ہو گئی تھی اور شاید ان سے فارسی کی بعض چیزیں پڑھی بھی تھیں۔ غدر کے بعد وہ سکندر جہاں بیگم کے پیشکار ہو گئے یہ ان کی آئندہ ترقیوں کا پہلا زینہ تھا۔ ان کے ایک دوست مومن علی خاں صدر الصدور میرٹھ تھے۔ شیفتہ نے غالب کو لکھا کہ اگر مومن علی خاں کے نام بھوپال سے سفارش کا خط آجائے تو ان کی مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ غالب نے صدیق حسن خاں کو لکھا اور انھوں نے مومن علی خاں سے سفارش کی۔ اس کے بعد جب جاگیر کی واگزاشت کے لئے مرافعہ کیا گیا، تو پھر نواب صدیق حسن خاں کو مکرر سفارش کے لئے لکھا گیا۔ چنانچہ انھوں نے دوبارہ خط لکھا اور اس طرح سے علاقہ بھی واگزاشت ہو گیا۔ نواب صدیق حسن خاں نے یہ واقعہ خود لکھا ہے اور شیفتہ کا خط بھی نقل کیا ہے"[2]

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی تصنیف "شمع انجمن" میں شیفتہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

مظفر حنفی

غزل

خلا میں خاک نہیں گرد کارواں کے لئے
نہ کیا جواز ہے بوسیدہ آسماں کے لئے
کہ اب ختم ہوئی حادثات جاری ہیں
ملا نہ صفحہ کوئی زیب داستاں کے لئے
ہر اک خیال میں احساس کے لئے نشتر
ہر ایک لفظ میں کانٹے مری زباں کے لئے
کہاں کہاں سے کیا کسب نور مت پوچھو
کسی کی مانگ میں چھوٹی سی کہکشاں کے لئے
اساس زاویۂ خاص ہے نگاہ جیا
نہ دیکھ غور سے توڑ کہاں کماں کے لئے
تو چلتی پھرتی ہوئی لاش کی طرح جی لو
جو خودکشی کی اجازت نہیں اماں کے لئے
نہ قید کی کوئی میعاد ہی مقرر کی
نہ فرد جرم لگی قید جسم و جاں کے لئے
نہ بال و پر ہے نہ قابو نہ سمت کی پہچان
نکل تو آئے مکانوں سے لامکاں کے لئے

---

[1] نقش آزاد۔ غلام رسول مہر صفحہ ۲۸ ۔ غالب غلام رسول مہر صفحہ ۱۹۲۔ غالب اور ابوالکلام۔ عتیق صدیقی صفحہ ۱۴۲

[2] غالب۔ غلام رسول مہر صفحہ ۲۹۲۔ نقش آزاد۔ غلام رسول مہر صفحہ ۳۱۰۔ غالب اور ابوالکلام۔ عتیق صدیقی صفحہ ۱۴۳۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ در ۱۲۷۳ ہجری بزمانہ برگشتگی افواج ہند ہرگاہ بہ تہمت غدر مبتلا شدہ مجلس افتاد محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را از ان عقبۂ کود نجات بخشید خطی محرر سطور تحریر کردہ کہ عبارتش بلفظہ ایں ست خط سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ ہند بلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود برطبق آن صاحب ممدوح آنچنان مساعی جمیلہ و کوششہای بلیغہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید آری مقتضای محبت ہای سامی ہمیں بود ایں احسان فراموش شدنی نیست اکنوں بہ نجات صوری رو داد لیکن نجات معنوی باقی ست یعنی جاگداد وغیرہ وجوہ معاش ہنوز متعلق واگزاشت نشدہ ایں مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسید نہیں بضرورت افتاد کہ بآنجناب اطلاع کنم تا بنام شان خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمایند و تحریر ایں معنی کہ بظہور ایں امر شکر گزار سامی خواہم شد فضول ست کہ میان ما و شما گنجائش ہیچ امور نیست کہ باد از بیگانگیہا صید بدو خفا ست کہ بار ایں منت بس عظیم خواہد بود مورخہ نہم شعبان ۱۲۷۶ ہجری انتہی چوں ایں خط آمد خط دیگر بنام مومن علی خاں صدر الصدور ساکن مندیلہ نوشتہ شد ذریعۂ معاش بعد کشش و کوشش بسیار واگذاشتہ شد۔

مرزا غالب کے سلسلے میں نواب صدیق حسن خاں رقمطراز ہیں:

غالب میرزا اسداللہ خاں دہلوی مخاطب بنجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ بہادر از سخنوران نامی شاہجہان آباد و صاحب قوت فکر بود داد ا ست موجد معانی خوش و مخترع معانی دلکش تیر بیشۂ سخن پروری شہریار مصر معنی گستری در نثر و نظم طرز خاص دارد و تراکیب دلنشین ابداع می نماید بیاری از معاصرانش قائل بکمال او در شاعری و نظامی اند و بعضی از اقران بر طرز ادائی کلام او اعتراضات کردہ اند چنانچہ از ملاحظہ قاطع برہان و ساطع برہان چوں صبح روشن میشود اما شک نیست کہ قدرت او بر اصناف سخن از نثر و نظم بیش از دیگران ست قصائد و مثنویات و غزلیات و رباعیات دارد اما تخلص قصائد خوب واقع نشدہ و قصیدہ بہتر از غزل می سراید غالب قصاید او در مدح حکام فرنگ و رؤسا و اکابر ہندوستان ست از وظیفہ خواران بہادر شاہ دہلی ست مذہب شیعی داشت چنانکہ خود ہم میگوید ؎

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسداللہم و ہم اسداللہیم

در ہیچ وقت خود را از نثر مدام در گردش جام صاف نمیگذاشت زبان فارسی نیک تر می داند و از ایراد الفاظ عربی حتی الامکان گریز می نماید مہر نیمروز و دستنبو و منشآت و جز آن از کتب فارسیہ یادگار او ست محرر سطور در ایام اقامت شاہجہان آباد دیدہ او را دیدہ و تقریر جادو تاثیرش گوش کردہ و غزلہا از زبان او شنیدہ قصیدہ و غزل بسرعت تمام میگفت و طرز خود را در سخن یکی از دست نمیداد احیاناً شعر ریختہ اردو ہم می گفت دیوان مختصری در ریختہ دارد دیوان فارسی او بوجہ طبع دائر و سائر ا ست مجموع ابیاتش دہ ہزار و چہار صد و بست و چہار بیت ست و ہر یک از روی شوخی تاثیر و خوبی تقریر پیرایہ گلوبی سبل و ریحان

(باقی صفحہ ۸ پر)

آفتاب شمسی

غزل

حدِ نگاہ تلک رنگ روشنی کا تھا
نکلنا کیوں نہیں قیدی میں تیرگی کا تھا

کسی نے مار کے دابا تھا مجھ کو ساحل پر
مگر گمان ہر اک شخص کو ندی کا تھا

بہا کے لے گیا یوں مجھ کو دوسرے تگ میں
کہ جیسے مجھ میں سیلاب اک صدی کا تھا

اداس اداس رہا ساری عمر میرے ساتھ
لحاظ اس کو بھی میری فسردگی کا تھا

دکھایا میں نے ہی آئینہ سب کو پہلی بار
یہاں جو دیکھنے والا تھا آرسی کا تھا

ہر ایک شکل کو تکتا رہا ہوں ساری عمر
کہ انتظار مجھے ایک آدمی کا تھا

سیاہ پڑ گئے سورج نکلنے کی چہرے
سویرا اگلا ہوا بھی تو تیرگی کا تھا

ــــــــــــ

لہ شمع انجمن - سید محمد صدیق حسن خاں صفحہ ۳۴۱

مترجم برہم ناتھ دت

رگوید – X – ۸۸

اگنی دیوتا

۱۔ محیط کل، ضیا آشنا، محبوب محترم، اگنی دیوتا کے حضور بے بہا، دلام[1]، سوم رس پیش کیا جاتا ہے۔

دیوتاؤں نے اس کی اپنی فوقیت کی وجہ سے دنیا اس کے حوالے کر دی تا کہ وہ اس کو توانائی اور بالیدگی سے شاداب کر دے۔

۲۔ تاریکی نے دنیا کو ڈھانپا بلکہ ہڑپ کیا ہوا تھا، اگنی کا ظہور ہوا اور روشنی آشکار ہو گئی۔

دیوتاؤں نے، فراخ دھرتی نے، آسمانوں، درختوں، پانیوں نے اسے خوش آمدید کہا۔

۳۔ دیوتا جو ہر طرح کی تعریف و توصیف کے مستحق ہیں ان کی تحریک پر میں اب اس عالی قدر اگنی کی مدح سرائی کرتا ہوں۔

جس نے دیوتاؤں، زمین، آسمان، درختوں، پانیوں اور فضاؤں کو ضیا پاش کر دیا۔

۴۔ دیوتاؤں کے قابل تعظیم پروہتوں نے اس کا انتخاب کیا اسے ماکھن ہی کر ممتاز کیا گیا۔

فوراً ہی اس نے وہ تمام مخلوق جو اڑتی ہے، کھڑی ہوتی ہے، چلتی پھرتی اور حرکت کرتی ہے بنا ڈالی۔

۵۔ اگنی چونکہ تو پوری آب و تاب سے دنیا کی سرتاج بنی ہوئی ہے۔

آسمان اور زمین پر چھائی ہوئی ہے، ہم خدائی برکتوں کی تمنا میں، تیری حمد و ثنا کرتے ہیں۔

۶۔ رات کے وقت اگنی دنیا کی پشت پناہ ہے اور پھر جیسے جیسے دن چڑھتا اور بڑھتا جاتا ہے۔

دیوتاؤں کی خوبیوں اور بزرگی کا معترف پجاری اپنے دھندے میں لگ جاتا ہے۔

۷۔ وہ کتنا دلنواز ہے جو اپنے پورے ٹھاٹھ میں آسمان پر بیٹھا نور برسا رہا ہے۔

تمام دیوتا جو ہمارے جسم کی حفاظت کرتے ہیں، بلند آواز میں اگنی کے گن گاتے اور ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

۸۔ دیوتاؤں نے پہلے مناجات بنائی، پھر انھوں نے اگنی کو پیدا کیا اور بعد کو صدقہ دیا۔

جو ہمارے جسموں کی حفاظت کرتا ہے، وہی بھینٹ کیا گیا، یہ آسمان جانتا ہے، زمین جانتی ہے، پانی جانتا ہے۔

۹۔ دیوتاؤں نے اگنی پیدا کرنے کے بعد تمام مخلوق اور تمام دنیاؤں کو اس کی تحویل میں دے دیا۔

اس نے اپنی نورانی تابش سے زمین اور آسمان کو گرما دیا اور شان و شوکت سے آگے ہی بڑھتی گئی۔

۱۰۔ پھر دیوتا منت سماجت سے اگنی کو آسمان پر لے گئے اس نے جاتے ہی اپنی طاقت و ہمت سے دونوں جہاں پر اپنا اقتدار جمالیا انھوں نے اس سے کئی کام لئے وہ ہر طرح اور ہر قسم کے درختوں کے پھلوں کو پکاتی ہے۔

۱۱۔ کب اور کس وقت دیوتاؤں نے جس کی پرستش کرنا ہمارا فرض بنتا ہے اس ادتیہ کے بیٹے کو سورج دیوتا کی شکل دی۔

جب وہ جوڑا، جو ہر وقت گردش میں رہتا ہے عالم وجود میں آیا، تو تمام مخلوق نے جو اس وقت خلق ہو چکی تھی، ان کو حیرت سے دیکھا۔

۱۲۔ زندوں کی دنیا کے لئے دیوتاؤں نے عالم گیر اگنی بنائی تا کہ پرچم ضیا کا کام دے۔

جس نے روشن صبح کو دنیا پر پھیلا دیا وہی دن چڑھتے ہی رات کا پردہ اٹھا دیتی ہے۔

۱۳۔ دانا اور متبرک دیوتاؤں نے عالم گیر اگنی کو اس طور بنایا کہ اسے بڑھاپا چھو ہی نہیں سکتا۔

مستحکم و بلند سیارے جو ہر وقت گردش میں رہتے ہیں ہماری قسمت کے مالک ہیں۔

۱۴۔ ہم صاحب تمیز لوگوں کو بلاتے ہیں کہ وہ دائمی روشن رہنے والی اگنی کی تعریف میں متبرک گیت گائیں۔

جس نے بڑائی میں زمین اور آسمان کو پیچھے پھینک دیا وہی عالم بالا و عالم سفلی کا دیوتا ہے۔

۱۵۔ میں نے دو علٰحدہ علٰحدہ راستوں کا ذکر بار ہا سنا ہے، ایک بزرگوں اور دیوتاؤں کا راستہ اور دوسرا فانی انسانوں کا راستہ۔

ان دونوں راستوں پر تمام متحرک اشیا چل جا رہی ہیں، ہر ایک چیز اپنی ماں اور اپنے باپ کے درمیان ہے۔

۱۶۔ یہ دونوں ملے جلے راستے اگنی سب کے لئے کھلے ہیں، جو دماغ سے سوچتے اور عقل سے کام لیتے ہیں۔

وہ تمام موجودات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے، جو تیزی و تندی لئے تابانہ شان و شوکت سے چلی جا رہی ہے۔

۱۷۔ ہم جو دانوں میں سے کون ایک یہ جانتا ہے کہ وہ جو عالم بالا اور عالم سفلی سے واقف ہیں کب آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

ہمارے دوستوں نے یہ محفل آراستہ کر لی ہے، وہ قربانی کے لئے آئے ہیں، اس کی منادی کون کرے گا؟

۱۸۔ گنتی میں آگ اور سورج کتنے ہیں، پانیوں اور شفق کا شمار کیا ہے؟ صاحب تمیز لوگو، بزرگو، میں مذاق نہیں کرتا، اپنی واقفیت کے لئے جاننا چاہتا ہوں۔

۱۹۔ حسین پروں والی صبح کی تو ہمارے پاس رہنے والوں کے لئے اتنی ہی خوش آئند ہے جتنی کہ اس برہمن کے لئے جو قربان گاہ کی طرف جاتا اور پجاری کے پہلو میں جا بیٹھتا ہے۔

---

[1] پاک شراب

مراسلات

دستورِ ہند کی آرٹیکل ۳۵۰۔اے کو عملی جامہ پہنایا جائے

دنیا کے ماہرین تعلیم اس پر متفق ہیں کہ بچوں کی نفسیات اور ان کی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے ابتدائی تعلیم بچوں کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ دینا چاہیے۔ کوٹھاری کمیشن نے اپنی رپورٹ کے صفحہ پر پیراگراف ۱۵/۱ میں مادری زبان کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ آزادی کے بعد سے پورے ملک خصوصاً یو۔پی میں اکثریتی لسانی گروپ کے طلباء کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ پرائمری تعلیم دیے جانے کا بندوبست کیا گیا مگر ریاستی وزرائے تعلیم کے معین کردہ فارمولہ کے بموجب اقلیتی زبانوں کے طلبہ کے لئے پرائمری سطح پر ان کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم کا بندوبست نہ ہوسکا۔ خصوصاً یو۔پی میں ایک کلاس میں ایسے دس اور پورے اسکول میں ۴۰ طلبہ کا فارمولا ناکام رہا۔ اس حقیقت کے پیش نظر دستورِ ہند میں خصوصیت سے آرٹیکل ۳۵۰۔اے کا اضافہ کیا گیا جس کا آزاد اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"ہر ریاست اور ہر لوکل اتھارٹی کی یہ کوشش ہونا چاہیے کہ لسانی اقلیتوں کے بچوں کو پرائمری تعلیم ان کی مادری زبان کے ذریعہ دی جائے۔ صدر جمہوریہ حسب ضرورت اس سلسلے میں مندرجہ بالا سہولت پر عمل درآمد کے لئے احکام جاری کرسکتا ہے۔"

دستورِ ہند میں مندرجہ بالا آرٹیکل ۳۵۰۔اے کے اضافہ کو ۱۵ سال ہوگئے مگر شمالی ہندوستان کی ریاستوں میں جن میں یو۔پی اور بہار وغیرہ شامل ہیں اور جہاں اس پر عمل درآمد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اب تک عمل درآمد نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہونے کے آثار نظر آتے ہیں۔ لسانی کمشنر نے بار بار ان دونوں صوبوں میں اردو کے خلاف کی جانے والی ناانصافیوں کی شکایت کی مگر صدر جمہوریہ نے اس سلسلے میں کوئی توجہ نہیں فرمائی لوک سبھا کے حالیہ انتخاب کے موقع پر یہ اطمینان دلایا گیا تھا کہ اردو کے خلاف کیجانے والی ناانصافیوں کی تلافی کی جائے گی۔ حکومت یو۔پی نے اردو والوں کو اطمینان دلانے کے لئے کچھ فرضی اقدامات بھی کئے ہیں مثلاً اردو اکیڈمی کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ مجھے اس وقت اردو اکیڈمی و دیگر اقدامات پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے اس مختصر مضمون میں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ریاست یو۔پی میں دستورِ ہند کی آرٹیکل ۳۵۰۔اے کا کس طرح مذاق اڑایا جارہا ہے۔ یوں دنیا کے دکھانے کو پرائمری سطح پر اردو کی تعلیم کے لئے کچھ ٹیچرس کا تقرر کیا گیا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حکومت ۳۵۰۔اے پر عمل درآمد کا ارادہ رکھتی ہے۔ یو۔پی میں یہ چیز فرض کرلی گئی ہے کہ ہر بچہ اور بچی کی مادری زبان ہندی ہے لہٰذا پورے منصوبہ بندی کے ساتھ یہ کوشش جاری ہے کہ طلبہ اور طالبات کو ابتدا ہی سے ہندی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔

وزرائے تعلیم کی کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ اقلیتی زبان کے جن بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہو درجہ ۳ سے ان کو ہندی بھی پڑھائی جائے ریاست یو۔پی میں اس فارمولا کو بالکل الٹ دیا گیا ہے۔ الٰہ آباد وغیرہ سے جو خبریں موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اردو کے نئے ٹیچرس سے درجہ ۳ سے اردو کو بطور ایک اڈیشنل زبان پڑھانے کا کام لیا جارہا ہے اس طرح اردو والوں کو آرٹیکل ۳۵۰۔اے میں دیے ہوئے اس حق سے محروم کیا جارہا ہے کہ ان کے بچوں کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے یہ سب کو معلوم ہے کہ آزادی سے قبل پرائمری ٹیچرس اردو اور ہندی دونوں زبانوں سے واقف ہوتے تھے اس وجہ سے بچوں کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے میں کوئی دشواری نہیں تھی مندرجہ بالا سسٹم ختم کردیا گیا بہت بڑی تعداد میں ہندی ٹیچرس کا تقرر کیا گیا۔ شور و غل مچانے پر چند اردو ٹیچرس رکھے گئے تو ان سے وہ کام نہیں لیا جارہا ہے جو دستورِ ہند کی آرٹیکل ۳۵۰۔اے سے مطلوب تھا۔ گذشتہ لوک سبھا کے انتخابات کے موقع پر وزیراعظم اندرا گاندھی نے اپنی متعدد تقریروں میں یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ زبان اردو کو اس کے دستوری حقوق دیے جائیں گے۔ یو۔پی حکومت جس کا تعلق حکمراں کانگریس سے ہے، پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انتخابی وعدوں کو پورا کرے۔

• ظفر احمد صدیقی وکیل سکریٹری

لکھنؤ۔

یادگار ڈاکٹر ذاکر حسین کے سنگ بنیاد کی تقریب کے سلسلے میں وضاحت

یکم اکتوبر کو ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی یادگار کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس سلسلے میں اردو کے ایک ہفتہ وار اخبار نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا ہے:

"۲ اکتوبر کے اسٹیٹسمین میں صفحہ ۲ پر اس کتبہ کی تصویر شائع ہوئی ہے جو صدر جمہوریہ مسٹر گری نے مرحوم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی یادگار کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے نصب کیا ہے کتبہ کی ساری عبارت شروع سے آخر تک ہندی میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کتبہ کے دوسرے رخ پر اردو عبارت بھی درج ہو، لیکن اس تصویر سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کتبہ کے لئے ہندی ہی زبان کو راشٹر بھاشا سمجھ کر اسی پر اکتفا کی گئی۔ خدا کرے کہ یہ خیال غلط ہو۔ امید ہے ارباب جامعہ اس سلسلے میں جلد وضاحت فرمائیں گے۔"

ممکن ہے کہ اس اخبار کی طرح دوسرے اخبارات اور ان کے قارئین کو بھی غلط فہمی ہوئی ہو اس لئے اس نوٹ سے فائدہ اٹھاکر اطلاع عام کے لئے عرض ہے کہ سنگ بنیاد کی عبارت اردو

میں بھی ہے اگرچہ اس یادگار کے قیام اور انتظام کی تمام تر ذمہ داری حکومت ہند یا ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل کمیٹی پر ہے، لیکن ایسی صورت میں جبکہ اس کا تعلق ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم سے ہے اور اہم معاملات میں جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب کے مشورے شامل ہوتے ہیں، اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسے اہم موقع پر اردو کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ دراصل سنگ بنیاد کی عبارت تین زبانوں — اردو، ہندی اور انگریزی میں ہے اور سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تینوں پتھر اس طرح جوڑ دئے گئے تھے کہ راشٹرپتی تینوں پتھروں کو ایک ساتھ نصب کریں۔ فوٹوگرافروں نے تصاویر تینوں رخوں سے لی تھیں، یہ اتفاق ہے کہ اسٹیٹسمین نے صرف ہندی کے پتھر کی تصویر کو شائع کرنے کے لئے منتخب کیا۔ اردو کی عبارت جو سنگ مرمر پر کندہ کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہے:

ڈاکٹر ذاکر حسین
بھارت کے راشٹرپتی
(۱۳ مئی ۱۹۶۷ء — ۳ مئی ۱۹۶۹ء)
یہ یادگار
بھارت کی جنتا نے اپنی محبت اور پریم کو ظاہر کرنے اور مرحوم کی قومی خدمات کا دل سے اعتراف کرنے کے لئے قائم کی۔
بھارت کے راشٹرپتی
شری وراہ گری وینکٹ گری
نے یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء کو اس کا سنگ بنیاد رکھا۔

اگر اس اردو عبارت کا اچھا اور واضح فوٹو مل گیا تو رسالہ جامعہ کے اگلے شمارے میں شائع کر دوں گا، جس میں اس تقریب کی تفصیلات شامل ہوں گی۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو باتوں کی اور وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔

اس بات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس تقریب کا جملہ انتظام وزارت تعلیم کی معرفت حکومت ہند نے کیا تھا، لیکن چونکہ اس کے مشورے میں شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب بھی شریک تھے، اس لئے جلسے کے پروگرام میں تلاوت قرآن حکیم بھی شامل کی گئی۔ چنانچہ جلسے کی کارروائی کا آغاز جامعہ کے ایک طالب علم کی تلاوت سے ہوا۔ غالباً یہ پہلی سرکاری تقریب ہے جس کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ اس کے بعد پہلی تقریر شیخ الجامعہ کی تھی۔ اگرچہ جلسے کی جملہ کارروائی انگریزی میں تھی، مگر پروفیسر محمد مجیب صاحب نے اپنی تقریر اردو میں کی، جو جامعہ میں شائع کی جا رہی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سنگ بنیاد کی یہ رسم جمعہ کے دن ادا کی گئی، جو مسلمانوں کا ایک متبرک دن ہے۔

دہلی۔ • عبداللطیف اعظمی

اردو اکاڈمی

مکرمی۔ آپ کے اخبار میں یہ خبر پڑھ کر خوشی ہوئی تھی کہ ہماری سرکار نے اردو کے واسطے روپیہ دیا اور ایک اکاڈمی بھی بنا دی جس کی کرتا دھرتا یو۔پی کی وزیر بیگم حامدہ حبیب اللہ ہیں۔ مگر بعد کی خبروں سے اردو کے حق میں اس طرح کی اکاڈمی مایوس کن دکھائی دے رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی اردو بورڈ نے کچھ نہیں کیا اور ایسے لوگوں کو چنا جن کو اردو سے لگاؤ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بار بھی یہی کچھ ہوگا۔

دوسری زبان والوں کو جو امداد ملی انھوں نے ایسے لوگوں کو شامل کر کے اپنا کام اچھی طرح کر لیا لیکن بیچاری اردو کے لئے سمجھداری کی تلاش ہے اور یونیورسٹی کے ڈاکٹر اور پروفیسر سنا ہے کہ اکاڈمی کے ممبر بنائے جائیں گے۔ انجمن ترقی اردو جو اس کے لئے مخصوص ہے اس نے باوجود اس کشمکش کے کام بھی کئے ہیں۔ اس کے کسی ذمہ دار آدمی سے ممبروں کے انتخاب کے واسطے نہیں پوچھا گیا۔ سوال یہ ہے کہ سرکاری نظر میں انجمن ترقی اردو کی کوئی حیثیت ہے یا نہیں؟ کیا اس کی خدمات کا اعتراف بھی مناسب ہے یا نہیں؟

میں نہیں سمجھتا کہ بغیر انجمن ترقی اردو کے ذمہ دار افراد کے مشورے کے اکاڈمی کے ممبروں کا چناؤ کہاں تک جائز ہوگا۔ یہ بھی ایک رسمی کارروائی بھی جائیگی جس سے اردو کو کوئی فائدہ نہ ہو سکے گا۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ سرکار صرف ایک "نہیں" پر ٹال دیتی اس میں روپیہ بھی بچتا اور ایک طرفہ فائدہ بھی ہوتا۔

• قومی آواز لکھنؤ

اردو اکاڈمی

مکرمی۔ حکومت یو۔پی نے حال ہی میں ایک اردو اکاڈمی کے قیام کا اعلان کر کے اردو والوں کو ایک بار پھر مطمئن کرنا چاہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اردو بورڈ ہو یا اردو اکاڈمی اس میں کون کون ہوتا ہے اور اس سے اردو کو کیا فائدے پہنچیں گے۔ اس کا کوئی نقش خاکہ ہمارے سامنے نہیں آیا ہے۔ اکاڈمی کا قیام اردو کے مسائل کا حل نہیں ہے، بلکہ اردو کی ترقی و ترویج کے لئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اردو اکاڈمی میں ایسے ممبران رکھے جائیں جو اردو کے ساتھ پیش آنے والی دشواریوں اور عملی مشکلات سے صحیح طور پر واقف ہوں اور جنھوں نے اردو تحریک کے سلسلے میں بڑا وقت دیا ہو۔ اس کے برعکس ایسے اشخاص کی شمولیت جو اردو کے مسائل سے ناواقف ہیں یا جنھوں نے عملی طور پر کام نہیں کیا ہے بیکار ثابت ہوگی اور کاغذی خانہ پری کے سوا کوئی کام نہ ہو سکے گا۔

• قومی آواز لکھنؤ

انجمن کی خبریں

کوٹہ گورنمنٹ کالج میں اردو لیکچرار کا تقرر

گزشتہ دنوں یہ بات معلوم ہوکر اردو دوستوں کو خوشی ہوگی کہ انجمن ترقی اردو کوٹہ کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں کوٹہ گورنمنٹ کالج کوٹہ میں اردو شعبہ قائم ہوگیا ہے اور اس کے لئے محترمہ ایم۔ جی۔ رضوی صاحبہ کا تقرر اردو شعبہ کے لیکچرار کی حیثیت سے ہوگیا ہے موصوفہ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو میں فرسٹ کلاس ہیں اور ڈاکٹریٹ کی تیاری کررہی ہیں۔ ہماری زبان کی سابقہ اشاعت میں اسلامک اسٹڈی سرکل کی طرف سے اردو لیکچرار کے تقرر نہ کئے جانے کا ذکر تھا۔ یہ خبر طلبہ کی عدم معلومات پر مبنی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈائرکٹر تعلیم کے اردو شعبہ کے قیام کے احکامات کے بعد راجستھان یونی ورسٹی سے الحاق کی کارروائی باقی تھی۔

اس سلسلے میں جناب زیدی صاحب ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ شعبہ اردو راجستھان یونی ورسٹی نے کوٹہ آکر پرنسپل صاحب اور صدر انجمن ترقی اردو کوٹہ سے تبادلۂ خیال کے بعد وائس چانسلر کو اپنی رپورٹ پیش کی اور لیکچرار کا تقرر عمل میں آیا۔ اسلامک اسٹڈیز سرکل کے طلبہ کی خبر کا یہ جز بھی کہ طلبہ نے ووکیشنل اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں داخلے کروائے واقعہ پر صحیح روشنی نہیں ڈالتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں کے سکنڈری اسکولس میں اردو نہیں تھی اس کے احکامات بھی انجمن ترقی اردو کے مطالبات پر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم راجستھان نے کئے۔

نیز انجمن ترقی اردو کوٹہ کے مطالبہ پر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے ۲۰ اردو ماسٹروں کی پوسٹ کے لئے فائنینس سکریٹری حکومت راجستھان کو سفارشات بھیج دی ہیں۔ احکامات کا انتظار ہے۔

● سلطان احمد

انجمن ترقی اردو شاخ کنڈوکور کا جلسہ

کنڈوکور۔ انجمن ترقی اردو کنڈوکور کا ایک جلسہ زیر صدارت شری کرشنا مورتی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جناب ایس۔ آر۔ حسن صاحب اسسٹنٹ کلکٹر انگول مہمان خصوصی تھے۔ جناب فضل الرحیم طراز لیکچرار اردو نے اردو زبان کی اہمیت اور اس کے حسن و خوبی پر مختصر تقریر کی۔ جناب کرشنا مورتی صاحب نے اردو کو بڑی ہی خوبصورت زبان قرار دیا اور کہا کہ طلبہ کو چاہیے کہ وہ اردو زبان پڑھیں۔ جناب حسن صاحب نے اردو کی افادیت پر تقریر کی اور اردو والوں کے اس شک و شبہ کو باطل قرار دیا کہ اردو کے پڑھنے سے وہ زندگی کے میدان میں پیچھے رہ جائیں گے۔

● محمد سلطان الدین

(باقی صفحہ ۱۴ سے آگے)

آویزۂ گوش دل ہست لفظ غریب تاریخ ولادت اوست و وفاتش در ۱۲۸۵ھ بود۔ تتبع کلام ظہوری و عرفی شیوۂ مرضیہ اوست و استفادہ از سخن غالب و حزین راہ و رسم دیرینۂ او بہ بار التزام چند گوہر شاہوار از صدف طبع او در اینجا سلک بیان کشیدہ می آید۔"[1]

نواب صدیق حسن خاں کی مندرجہ بالا تحریروں سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ انھوں نے مرزا سے فارسی نثر بھی پڑھی تھی، حیرت ہے کہ اگر مرزا سے فارسی پڑھنے کا واقعہ صحیح ہے تو انھوں نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ مولانا آزاد نے غالب کے سفارشی خط کا ذکر کیا ہے اور شیفتہ کے خط کا بھی لیکن دونوں کا ذکر مندرجہ بالا اقتباسات میں نہیں ہے۔

سید محمد علی حسن خاں مآثر صدیقی حصہ دوم میں نواب صاحب کی غالب سے بے تکلف ملاقات کا ذکر کرتے ہیں لیکن ان کے غالب سے اس تعلق کا ذکر نہیں کرتے۔ مرتب غالب اور ابوالکلام اور مرتب نقش آزاد نے بھی اس سلسلے میں کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

---

[1] شمع انجمن صفحہ ۲۲۲ ، ۱۲۸۳ھ

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

۱۔ انتخاب اکبر الہ آبادی
صدیق الرحمٰن قدوائی
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی
صفحات: ۱۶۰ ؛ قیمت: دو روپے

۲۔ حیات سعدی
رشید حسن خاں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی
صفحات: ۲۵۶ ؛ قیمت: ۳ روپے ۲۵ پیسے

۳۔ انتخاب میر
محمد حسن
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی
صفحات: ۲۸۷ ؛ قیمت: ۳ روپے ۶ پیسے

اخبار و افکار

اردو اکیڈمی، ہندی سمتی کی طرز پر قائم کی جائے

لکھنؤ: مجلس عاملہ جمعیت علماء یوپی کے ایک جلسہ میں اترپردیش میں اردو کے مسئلہ سے متعلق ایک تجویز میں کہا گیا ہے کہ "جمعیت علماء اترپردیش کا یہ جلسہ اترپردیش کی حکومت کے اس فیصلے کا کہ اردو اکاڈمی قائم کی جائے اور اردو زبان کو سہولتیں فراہم کی جائیں۔ خیر مقدم کرتا ہے مگر اس کے ساتھ اپنی اس رائے کا بھی اظہار کرتا ہے کہ اردو اکاڈمی کے اغراض و مقاصد کو کامیابی سے عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندی سمتی یوپی کے طرز پر اردو اکاڈمی کا بھی ایک ایسا ہی دفتر قائم کیا جائے جس کو چلانے والا افسر اردو زبان کا بہت اچھا واقف کار ہو اور دفتر میں بھی اردو داں عملہ ہو۔ اس جلسہ کی یہ بھی رائے ہے کہ نظامت تعلیمات اترپردیش کے ہاتھ میں اردو اکاڈمی کا کام سپرد کر دینے سے اردو اکاڈمی کا مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ گذشتہ ۲۴ برسوں کے دوران نظامت تعلیمات اترپردیش نے اردو کے معاملات میں جو رویہ اختیار کیا ہے وہ بہت ہی مایوس کن رہا ہے۔

• قومی آواز لکھنؤ

نئے زاویے کی نشست

گورکھپور: "نئے زاویے" کی ایک نشست ڈاکٹر سلام سندیلوی کی قیام گاہ پر پیام گورکھپوری کی صدارت میں ہوئی جس میں ڈاکٹر احسن رضوی نائب صدر "نئے زاویے" نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس نشست میں کہانیاں اور مضامین پڑھے گئے۔ ایم کوٹھیاوی راہی نے اپنی تازہ کہانی "بیمار شجر"، جمیش اشک نے "ٹوٹتی رات" اور پیام گورکھپوری نے اپنا مضمون "نئی قدروں کے معیار"۔ ڈاکٹر احسن رضوی نے "جذبات اور جسم"۔ ورد ہاشمی نے "غزل میں رومانیت" اور جناب آر۔ ڈی۔ ترپاٹھی نے "ہندی کے ترقی پسند ادیبوں کی خدمات" پڑھا۔

ڈاکٹر سلام نے ان کہانیوں اور مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ادب کو آفاقیت عطا کرنے کے لئے ہمیں کائناتی نقطۂ نظر اپنانا چاہئے۔ آخر میں ادارہ کے سکریٹری ایم کوٹھیاوی راہی نے "نئے زاویے" کو ایک مضبوط ادبی تنظیم بنانے کے لئے مفید تجاویز پیش کیں، جن پر عمل درآمد کرنے کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ اور طے پایا کہ عنقریب بڑے پیمانے پر مجلس مذاکرہ کا انعقاد کیا جائے گا جس میں نئی نسل کے فنکاروں کو شرکت کی دعوت دی جائے گی۔

• جمیش اشک

ٹانڈہ میں ہندی اکیڈمی کا قیام

ٹانڈہ: راہی ہوٹل ٹانڈہ میں معززین شہر کی ایک میٹنگ زیر صدارت محمد یونس انصاری بی۔ کام چیرمین اسپیشل ٹانڈہ میونسپل بورڈ منعقد ہوئی۔ اس جلسہ میں باتفاق آرا ہندی اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد میں ہندی گورکھپوری کی تخلیقات کی اشاعت اور اردو کا تحفظ شامل ہے۔ اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر ضیاء احمد انصاری اور جنرل سکریٹری متین جامی صاحب منتخب ہوئے ان کے علاوہ دو نائب صدر دو سکریٹری ایک جوائنٹ سکریٹری کا انتخاب ہوا۔

• ضیاء احمد انصاری

یوم سرسید

پٹنہ: سرسید احمد خاں کی یوم پیدائش کی تقریب کے سلسلہ میں اورینٹل کالج پٹنہ سٹی کے وسیع ہال میں کالج کی ادبی انجمن "محفل ادب" کی جانب سے "یوم سرسید" پرنسپل جناب سید محمد احمد کی صدارت میں منایا گیا۔

جناب پروفیسر مجتبیٰ خاں نے سرسید کے کارناموں کو سراہا اور جناب سید اسماعیل متین نے بھی سرسید کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اور کہا کہ انھوں نے اپنی قوت فکر و عمل سے خیالات میں انقلاب پیدا کیا اور اردو داں طبقہ میں پاکیزہ، صاف، سادہ اور پُر اثر نثر نگاری کا مذاق پیدا کیا۔

آخر میں صدر جلسہ جناب سید محمود احمد صاحب (پرنسپل اورینٹل کالج) نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ سرسید احمد خاں کو خراج عقیدت پیش کرنا اس وقت تک بے معنی ہے جب تک ان کے بتائے ہوئے اصولوں اور ان کی تعلیم پر سب عمل پیرا نہ ہوں۔

• نامہ نگار

ادبی سنگم بمبئی کا ماہانہ جلسہ

"ادبی سنگم" بمبئی کی ماہانہ نشست محبوب بلڈنگ، پشپا پارک ملاڈ میں زیر صدارت جناب تاج اورنگ آبادی منعقد ہوئی۔ جناب نفیس آفریدی نے جناب ندا فاضلی کی دوسری تصنیف "ملاقاتیں" کی اشاعت پر "ادبی سنگم" کی طرف سے ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے مختصر لفظوں میں جناب موصوف کے فن پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد خود جناب ندا فاضلی نے شاعری کے بدلتے ہوئے رجحانات پر ایک پُر مغز تقریر کی۔

جاوید محمود نے مادہ پرستی اور روحانیت کے مسئلہ پر اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد شعری دور شروع ہوا جس میں بہت سے ممتاز و نامور شعرائے کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

• قیصر عثمانی۔ سکریٹری

ماتا سندری کالج دہلی میں اردو کے شعبہ کا قیام

دہلی۔ ماتا سندری (ویمن) کالج میں اردو شعبہ کے قیام کے سلسلے میں بزم ادب اردو کا افتتاحیہ جلسہ کالج ہال میں زیر صدارت جناب مرزا محمود بیگ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے جناب صدیقی صاحب نے کالج میں شعبۂ اردو کھولنے کو سراہا اور کہا کہ ہندوستان کی مختلف زبانیں جن میں اردو بھی شامل ہے ہم سب کو ایک رشتہ میں باندھتی ہیں۔ بیگ صاحب نے پرنسپل صاحبہ کے حسن انتظام کی تعریف کی اور اردو کے سلسلہ میں اس اقدام کو نیک فال قرار دیا۔

پرنسپل صاحبہ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہمیں خوشی ہے کہ یہاں اردو کھولنے میں ہم کامیاب ہوئے اور اس طرح ہمیں قرب وجوار کی مسلم آبادی کے ساتھ انصاف کرنے کا موقع ملا۔ انھوں نے پھر کہا کہ اگرچہ ابھی صرف بی۔ اے (جنرل) میں اردو پڑھائی جا رہی ہے لیکن جلد ہی یہاں اردو آنرز اور ایم۔ اے اردو کے کلاس بھی شروع کر دئے جائیں گے۔

• ڈاکٹر ذکیہ انجم (لکچرار انچارج)

اردو کی شاندار روایات کو آگے بڑھانے کا مشورہ

سری نگر: جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق نے کہا ہے کہ اردو نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں اہم پارٹ ادا کیا ہے صادق صاحب نے حیدرآباد کی اردو ادبی کنونشن کے نام ایک پیغام بھیجا ہے جس میں اس کی کامیابی اور نیک خواہشات کے اظہار کے ساتھ ساتھ کہا ہے کہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس ادبی کنونشن میں نہ صرف اردو ادب کی ترقی اور ترویج پر غور کیا جائے گا بلکہ قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے موضوع پر بھی غور ہوگا۔ انھوں نے کہا ہے کہ اردو زبان اور ادب نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں شاندار رول ادا کیا ہے اس کی انہی روایات کو آگے بڑھایا جانا چاہئے۔

• الجمعیۃ دہلی

اقتباسات خطبۂ صدارت

(ادبی کنونشن۔ حیدرآباد)

اردو ادبی کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے پدم بھوشن جناب پروفیسر ہارون خاں شروانی نے اپنے خطبۂ صدارت میں ریاست حیدرآباد میں اردو کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے حکومت سے فراخدلانہ اور ہمدردانہ طرز عمل کی درخواست کی ہے اس خطبہ کے چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

تلگو اور اردو دونوں یہاں ایک ساتھ پلی ہیں۔ اور آج بھی آندھرا پردیش کے بہت سے اضلاع اور ان کے مستقروں میں اردو مادری زبان والوں کا تناسب قابل لحاظ ہے حیدرآباد کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی نہ صرف تلنگانہ کے قصبوں اور شہروں میں بلکہ آندھرا علاقے کے بعض اضلاع میں ان کی معتدبہ تعداد ہے۔ ہماری حکومت نے بعض جگہ جونیر انٹرمیڈیٹ کالج قائم کئے ہیں جن میں سے چند میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا ہے یا اسے ذریعہ تعلیم بنانے کی اجازت دی ہے۔ لیکن سوائے چند امدادی کالجوں کے جن میں ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور جن میں مضامین کی تعداد محدود ہے کوئی ایسا انتظام حکومت نے نہیں کیا کہ جامعی معیار کی تعلیم اردو میں دی جائے۔ بظاہر یہ سوچا نہیں گیا کہ جو طلبہ جونیر انٹرمیڈیٹ کالجوں سے اردو میں تعلیم پاکر نکلیں گے وہ کہاں جائیں گے۔ بلاشبہ انھوں نے تلگو میں بھی کامیابی حاصل کی ہوگی لیکن یہ بطور ایک زبان کے نہ کہ بطور ذریعہ تعلیم کے۔ انھیں ابتدا ہی سے اپنا تعلیمی مستقبل بھیانک نظر آنے لگا اور وہ اردو کو چھوڑنے پر مائل ہو جائیں گے پھر ایک عجیب غیر افسوسناک اعلان یہ بھی کیا گیا ہے کہ ملازمتوں میں ایسے فارغ التحصیل اشخاص کو ترجیح دی جائے گی جنھوں نے تلگو ہی میں تعلیم پائی ہوگی۔ اس طرح سے ایک اعتبار سے ایسے تعلیمی اداروں کی گویا جڑ ہی کاٹ دی گئی ہے جہاں اردو زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ بلاشبہ حکومت کی بیشتر کارروائیاں تلگو میں ہوں گی۔ لیکن کونسا ایسا طالب علم ہوگا جس نے بچپن ہی سے تلگو زبان بطور زبان کے نہ سیکھی ہو اور جو تھوڑی بہت مشق کے بعد تلگو میں یادداشتیں نہ لکھ سکے اور نہ کام چلا سکے۔ میں حکومت سے خصوصاً ہمارے محترم بڑے وزیر سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس اعلان کو واپس لے لیں ورنہ اس ایک اعلان سے اردو کی تعلیم ہی کی نہیں بلکہ خود اردو کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

اردو والوں کے دوسرے مطالبے ایسے ہیں کہ ان کا حیدرآباد کے اردو تنظیموں کی طرف سے اعادہ ہوتا رہتا ہے اور حکومت ان کی بات پر دیر سویر کچھ کاروائی بھی کرتی ہے؛ لیکن خود اس کے احکام پر کما حقہ عمل نہیں ہوتا۔ مقامی قوانین کا اردو ترجمہ تو درکنار ایسے رقبوں میں جہاں آبادی کی دس فیصد یا اس سے زیادہ کی مادری زبان اردو ہے وہاں بھی اطلاعات اور عدالتی کارروائیوں میں اردو کے لئے گنجائش مشکل سے نکلتی ہے اور تو اور خود شہر حیدرآباد میں ایسے لاتعداد سرکاری سائن بورڈ ہیں جن میں اردو کا پتہ نہیں۔ ہم دو والے ڈاک خانے کے اعلیٰ عہدہ داروں کے ممنون ہیں کہ انھوں نے کم سے کم حیدرآباد میں لیٹر بکسوں اور سائن بورڈوں پر اردو کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اگر ہمارے سرکاری عہدہ دار اسی خوش دلی سے اردو کے ساتھ رشتہ رکھیں تو پھر کسی کو کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

• نامہ نگار

خط کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ کی پہلی سہ ماہی رپورٹ

جامعہ کے جشن زریں سنہ ۱۹۷۰ء کے موقع پر اس کورس کے انتظام کی ابتدا کی گئی۔ داخلوں کا کام یکم جولائی سنہ ۱۹۷۱ء سے شروع ہوا۔ اس کورس کا مقصد ان لوگوں کو جو اردو نہیں جانتے ہیں اور گھر بیٹھے اردو سیکھنا چاہتے ہیں کسی ایک زبان کے سہارے اردو سکھانا ہے۔ فی الحال ہندی کے ذریعہ اردو کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس تعلیم کی کوئی فیس نہیں ہے۔ کتابیں بھی ایک ایک کر کے مفت دی جاتی ہیں بلکہ پورے کورس کی ڈاک اور کتابیں بھیجنے کا خرچ دو دو روپے ہے جو داخلہ فارم کے ساتھ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر کے ذریعہ لے جاتے ہیں۔

اس پہلی سہ ماہی میں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ داخلوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پڑھائی میں سب طرح کے لوگ دلچسپی لے رہے ہیں۔ اساتذہ طلبہ، تاجر ملازم، ریل اور ڈاک خانہ میں کام کرنے والے پیشہ ور لوگ کم و بیش تعداد میں ملیں گے۔ اس اسکیم کا اشتہار صرف تعلیمات گزٹ میں ہوا تھا۔ چونکہ داخلے سال بھر ہوتے ہیں اس لئے داخلوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم پانے والے کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو رہے ہیں۔ ہمارا اندازہ ہے کہ اگر اخبارات اور رسالے اس مفید اسکیم میں ہاتھ بٹائیں دفتر سے وقتاً فوقتاً جو معلومات دی جائیں گی انھیں شائع کریں تو پڑھنے والوں کی تعداد ہر ایک کی توقع سے زیادہ ہو جائے گی۔ داخلہ حاصل کرنے والے لوگوں کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کسی نہ کسی وجہ سے اور کچھ نہیں تو ادبی ذوق کی خاطر اردو کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تعلیم پانے کے مواقع مدارس میں نہ مل سکنے تو لوگ اس کمی کو گھر بیٹھے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ نا واقف لوگوں تک اس اسکیم کو پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۷۱ء تک نوسو اٹھاون (۹۵۸) داخلے ہوئے۔ صوبہ وار تفصیل حسب ذیل ہے۔ اس میں دہلی والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ امید ہے کہ دوسرے صوبوں کی تعداد بھی بڑھے گی۔

صوبے وار اعداد و شمار

۱۔ دہلی	۴۸۹
۲۔ یو۔ پی	۱۰۲
۳۔ ہریانہ	۵۷
۴۔ راجستھان	۵۹
۵۔ بنگال	۳۹
۶۔ مہاراشٹر	۳۷
۷۔ کیرالہ	۲۴
۸۔ مدھیہ پردیش	۱۸
۹۔ تامل ناڈو	۱۷
۱۰۔ پنجاب	۱۵
۱۱۔ آندھرا پردیش	۸
۱۲۔ میسور	۹
۱۳۔ ہماچل پردیش	۹
۱۴۔ اے۔ پی۔ او	۵
۱۵۔ بہار	۳
۱۶۔ گجرات	۴
۱۷۔ جموں کشمیر	۴
	۹۵۸

• عبدالغفار مدہولی۔ ناظم خط و کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

اردو ادیبوں اور دانشوروں کی ذمہ داری

حیدرآباد۔ سہ روزہ اردو ادبی کنونشن کے تیسرے روز اردو ادیب اور قومی یکجہتی کے زیر عنوان منعقدہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے تمام مقررین نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اردو زبان بذات خود قومی یکجہتی کی پیداوار اور ترجمان ہے۔ یگانگت، بھائی چارگی، اتحاد اور میل ملاپ کی خصوصیات اس زبان کا امتیاز ہیں۔ اس لئے اردو کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو قومی یکجہتی کے موضوعات کو زندگی کا بنیادی مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

• سیاست حیدرآباد

تبصرے

پروفیسر آل احمد سرور

لاہور کا جو ذکر کیا (کچھ آپ بیتی کچھ جگ بیتی)

از: گوپال متل

صفحات: ۱۷۵، قیمت: چھ روپے

ناشر: مکتبۂ تحریک ۹، انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی

برصغیر ہند و پاک میں تین شہر ایسے ہیں جو میرے نزدیک ایک شخصیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں لکھنؤ اور حیدرآباد اور پاکستان میں لاہور۔ ان شہروں کی خوبی یہ ہے کہ ان سے عشق کیا جا سکتا ہے فرانس میں پیرس، اٹلی میں روم اور روس میں لینن گراڈ بھی ایسے ہی شہر ہیں۔ آزادی کے بعد جو لوگ لاہور چھوڑ کر ہندوستان آئے وہ سب آج بھی لاہور، وہاں کی رونق، وہاں کی صحبتوں اور وہاں کی شخصیتوں کو یاد کرتے ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی جب لاہور کے ایک دوست کا ذکر کرتے جو دوستوں کے کنڈ مرے میں، اپنی چوٹی کا چندہ شامل کر کے شریک ہو جاتا تھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ دلی، بمبئی، کلکتہ، مدراس کے بہت سے رہنے والے ان شہروں کا کوئی خاص تاثر نہیں رکھتے، مگر مجھے ایک بھی ایسا شخص نہ ملا، جو لکھنؤ یا لاہور یا حیدرآباد میں رہا ہو اور آج تک اس کی یاد دل میں نہ لیے بیٹھا ہو۔

اس لیے گوپال متل کی کتاب "لاہور کا جو ذکر کیا" جب میرے پاس ریویو کے لیے آئی تو میں نے اسے بڑے شوق سے پڑھا اور ایک نشست میں ختم کر ڈالا۔ ایسی کتابیں اکثر ایک طرح کی آتش بازی ہوتی ہیں۔ کبھی کبھار آتش بازی کا ساز و سامان بہت شاندار ہوتا ہے مگر تماشا پھس پھسا ہو کر رہ جاتا ہے، یا پھر ایک ایسا مشاعرہ جس میں بڑے بڑے شعرا کے نام ہوں، مگر مشاعرہ بے جان ہو۔ مگر "لاہور کا جو ذکر کیا" اس ذیل میں نہیں آتی، یہاں آتش بازی مسحور کرنے والی ہے اور مشاعرہ جاندار اور کامیاب۔

ظاہر ہے کہ متل اس بساط پر سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ یہ بہر حال ان کی آپ بیتی ہے۔ ان کی ہوشیاری یہ ہے کہ انھوں نے داستان تلاش روزگار سے شروع کی ہے اور فسادات کے بعد ہندوستان کو ہجرت پر ختم کر دی ہے گویا ناولٹ لکھا ہے ناول نہیں لکھا، جس طرح اعلیٰ درجہ کی عشقیہ شاعری صرف عشقیہ نہیں ہوتی اسی طرح اچھی آپ بیتی صرف اپنے درد و داغ اور سوز و ساز کی داستان نہیں ہوتی، اس میں دوست، ساقی، ناصح، حریف سبھی در آتے ہیں۔ کتاب کی ایک خوبی اور بھی ہے۔ متل نے اسے یادوں کی برات رکھا ہے، سیاسی یا ادبی کارناموں کا جلوس نہیں بنایا

انھیں لکھنے کا سلیقہ ہے، لطیفہ بیان کرنے کا ڈھب معلوم ہے، شخصیتوں کے سمندر کو چند سطروں کے کوزے میں اسیر کرنا جانتے ہیں۔ اس نگار خانے میں بہت سی جانی پہچانی شخصیتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ اختر شیرانی، ہری چند اختر، حفیظ جالندھری، کنھیا لال کپور، کرشن چندر، ساحر لدھیانوی، ظفر علی خاں، سر عبد القادر، باری، چراغ حسن حسرت، احسان دانش، دیوندر ستیارتھی، ہنس راج رہبر، مرزا ادیب، صلاح الدین احمد، تاجور نجیب آبادی، تاثیر، سالک سبھی اپنی اپنی جھلک دکھاتے ہیں اور اس جھلک میں بھی ایک غیر فانی نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ لاہور کی صحافت، سیاست، اور ثقافت سبھی پر متل نے بڑی دلچسپ باتیں کہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ متل نے ان صفحات میں جن سیاسی خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے سب کو اتفاق نہ ہوگا، مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حقیقت پسند نظر اور گہرے تجربے کا اعتراف کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان میں جانبداری یا یک رخا پن نظر آئے، مگر میرے نزدیک تصویر کا جو رخ وہ پیش کرتے ہیں اس کی بھی اہمیت ہے۔ بہر حال کتاب ترقی پسند تحریک یا کمیونزم پر رائے کی وجہ سے اہم نہیں، متل کے اپنے تاثرات اور تجربات کی وجہ سے اہم ہے۔ متل نے اس چھوٹی سی کتاب میں عرب ہوٹل یا نگینہ بیکری کی صحبتوں کی بڑی روشن تصویریں پیش کی ہیں۔ انھوں نے بعض ایسی شخصیتوں کا بھی تعارف کرایا ہے جو زیادہ معروف نہیں مگر اپنی انفرادیت یا اپنے طرز عمل کی وجہ سے چند سطروں میں ادبی زندگی حاصل کر لیتی ہیں۔ مثلاً ہری چند چڈھا جو اپنے چیف ایڈیٹر پر بگڑ بیٹھے اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ "تمھیں کاپی جوڑنے کے سوا آتا ہی کیا ہے" پہنچ کر انھوں نے پھر چیف ایڈیٹر کو ٹیلی فون کیا۔ وہ سمجھا شاید چڈھا معافی مانگ رہا ہے۔ حضرت نے معافی ضرور مانگی مگر ان الفاظ میں "باس معاف کرنا میں نے آپ کی شان میں غلط بات کہہ دی۔ میں نے کہا تھا کہ آپ کو کاپی جوڑنا آتی ہے مگر سچ یہ ہے کہ آپ کو کاپی جوڑنا بھی نہیں آتی۔"

متل نے مولانا تاجور نجیب آبادی اور مولانا ظفر علی خاں کے متعلق جو تاثرات پیش کیے ہیں وہ اس لحاظ سے اہم ہیں کہ یہ دونوں شخصیتیں خاصی متنازعہ فیہ تھیں، مگر یہاں ان دونوں کی عظمت کا نقش ہی نمایاں ہے۔ ظفر علی خاں کے بعض مزید اشعار اس بیان کی دلکشی کو بڑھا دیتے ہیں۔ اختر شیرانی، احسان دانش، ساحر لدھیانوی، کرشن چندر، کپور، ستیارتھی کے متعلق بھی ان کے

(باقی صفحہ ۲ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔
REGD NO L-922 ۲۹ فون نمبر R-NO. 2186; 57